© rasailojaraid.com

پھر حضورؐ نے اپنی ساری قوت ان اصولوں کو نافذ کرنے میں صرف کر دی جو انسان کی فلاح کا بنیادی پتھر ہیں۔ کائنات کا نظام جس اصول پر قائم ہے اسی اصول پر انسانی زندگی کا سارا ڈھانچہ تعمیر کرنے کی جدوجہد میں حضورؐ نے زمانے بھر کی مصیبتیں سہیں۔ طائف کے بازاروں میں پتھر کھائے، جلاوطنی قبول کی۔ قوم نے جینا مشکل کر دیا۔ لالچ دیئے۔ دھمکیاں دیں۔ نظر بند کیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند بھی رکھ دو تو میں اسلام سے باز نہ آؤں گا۔ آپ کے قتل کی سازشیں ہوئیں۔ لیکن آپ نے جس اصول کی حقانیت کا نعرہ لگایا تھا اور جس راہ کی طرف دنیا کو بلایا تھا اس پر قائم رہے یہاں تک کہ فلاحِ انسانیت کے ان عالمگیر اصولوں کی جڑیں قیامت تک کے لیے زمین میں گہری جما دیں۔

پھر آپ نے ۲۳ سال کی مختصر سی جدوجہد میں وہ سوسائٹی قائم کر کے دکھا دی جس کا خواب انہوں نے انسانیت کو دکھایا تھا۔ جس خواب کو پریشان کرنے کے لیے مشرکین اور دشمن اپنے سارے ہتھیار لے کر نکل آئے تھے وہ ایک واقعہ کی صورت میں عالم وجود میں آ گیا اور عالمگیر بین الانسانی بنیادوں پر جس معاشرے کی تاسیس حضورؐ کے پیش نظر تھی وہ جاہلیت کے پردوں کو پھاڑ کر دنیا کے مطلع پر پہلی بار طلوع ہوا۔ اس میں حبش کے بلالؓ، ایران کے سلمانؓ، فارس کے باذانؓ اور روم کے صہیبؓ بھی شامل تھے۔ اس معاشرے میں غلام آقا بن گئے جو ہمیشہ سے پست چلے آتے تھے وہ بلند ہو گئے جن کا کام صرف اطاعت کرنا تھا وہ فوجوں کے سالار ہو گئے اور جو حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ان کے اعزاز پر بڑے بڑے معززین کو بھی رشک آنے لگا۔

یہ معاشرہ خالص خدا کی بندگی کے اصولوں پر تعمیر ہوا۔ جس میں داخلے کی فیس صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تھی۔ اس طرح دنیا کے ہادی نے ایک نئی دنیا تعمیر کی اور اسے ایک نیا نظامِ اخلاق دیا، نیا نظامِ تعلیم، نیا نظامِ تمدن، نیا نظامِ معاشرت و معیشت اور نیا نظامِ حکومت دیا۔ اور ساری دنیا کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھا دیا کہ پاکیزہ اصولوں پر ایک صالح نظام کس طرح تعمیر ہو سکتا ہے۔ اور وہ دنیا کو کتنی رحمت و برکت سے بھر سکتا ہے۔ درحقیقت حضورؐ نے دنیا کو ایک نیا انسان دیا۔ انسان کو بدل دینا ہی حقیقی انقلاب ہے۔

پھر جو گروہ حضورؐ نے ان نئے انسانوں پر مشتمل تیار کیا وہ صرف ان عالمگیر اصولوں کی بنیادوں پر ہی تیار کیا گیا اس کا تعلق نسل انسانی کے کسی خاص طبقے سے نہ تھا یا جغرافیائی حدود کی کسی خاص حد بندی سے نہ تھا بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ پوری دنیا کے انسانوں میں سے ایک اصول کے ترازو میں تول اور چھانٹ کر نکالے گئے اور ساری دنیا کی فلاح کے لیے انہیں مامور کیا گیا تھا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

اس طرح جو جماعت حضورؐ نے تیار کی وہ تمام نوعِ انسان میں سے چھانٹی گئی جس کے چھانٹنے اور برپا کرنے کا مقصد وہی تھا جو حضورؐ نے متعین کیا کہ وہ بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور اللہ پر ایمان لائیں۔ چنانچہ ہر اس گروہ کو جو ان اصولوں پر منظم ہو بھلائی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو حضورؐ نے اختیار کر کے دکھایا۔ ہر غیر الٰہی حکم سے بغاوت، ہر غیر الٰہی اطاعت سے انکار، خدا کے ہر باغی اقتدار کی نفی اور خدا کے مکمل اقتدار اور قانون کے نفاذ کے لیے مسلسل جد وجہد چاہے اس جد وجہد میں کتنے ہی اُحد اور کتنے ہی حنین سامنے آئیں۔ چاہے اس کی راہ روکنے کے لیے اپنے ہی بھائی بیٹے اور عزیز نہ آجائیں۔ اس راہ کی ہر رکاوٹ کو حضرت عمرؓ کی طرح تلوار سے ہٹانا ہوگا۔

اس دور میں اس "اخرجت للناس" کے مخاطب آج کے مسلمان ہیں۔ ہمیں تک حضورؐ نے اپنا پیغام پہنچا دینے کا حکم دیا تھا اور پہنچانے والوں نے پہنچا دیا۔ آج ہمیں ہی دنیا کو معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہے لیکن اگر ہمارے ہاتھوں سے معروف دبے اور منکر پھلے پھولے تو پھر ہمیں اپنے آپ کو ہادیٔ برحق کے پیرو کہہ کر ان کے نام کو ناپاک کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

چوں نہ داری از محمدؐ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او

آج حضورؐ کا اسوہ اور آپ کا پیغام ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ اگر ہم انھیں دنیا کا آخری ہادی مانتے ہیں اور آپؐ کے لائے ہوئے قانون کو ہر زمانے میں دکھی انسانیت کا واحد علاج سمجھتے ہیں تو پھر ہمیں اس قانون کے نفاذ کے لیے اپنی زندگی کی ہر قوت صرف کر دینی چاہیئے۔ چاہے اس کے لیے ہمیں قید و بند کے مصائب اور دار و رسن کی سختیاں بھی کیوں نہ سہنی پڑیں۔ جو لوگ رسولؐ اکرم کی پیروی کا یہ حق ادا کریں حقیقت میں انہی کو مسلمان ہونا زیب دیتا ہے اور حضورؐ کی پوری پوری پیروی کا حق صرف اس طرح ادا ہو سکتا ہے اس سے کم تر دین کا کوئی ایڈیشن تیار کر کے اس پر عمل پیرا ہو جانے کا نہ ہمیں حق ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العلم والایمان

شیخ یوسف القرضاوی

ترجمہ:۔ عبدالحمید صدیقی

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دور کا انسان ــــــ جو علم کے لحاظ سے بام عروج تک پہنچ چکا ہے ــــــ دین و مذہب کے اصول وضوابط کا حاجت مند نہیں ہے۔ وہ مجرد علم کی بنیاد پر زندگی کا صحیح رخ متعین کر سکتا ہے اور اپنے معاملات میں نظم و توازن پیدا کر کے بہتر طور پر جی سکتا ہے۔ نیز وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ علم کا پیش کردہ نظریۂ زندگی عقلی و نفسیاتی لحاظ سے درست ہوگا جبکہ ان کے نزدیک مذہب، ایمان بالغیب جیسے غیر علمی نظریات سے ذہنوں کے اندر خلجان پیدا کرتے ہیں۔ دوسری چیز جو ان پرستارانِ علم کے لیے زیادہ کشش رکھتی ہے وہ ہے حرّیت فرد۔ ان کے خیال میں مذہب نے حلال و حرام کے نام سے فرد کی آزادی کو قدم قدم پر پامال کیا ہے لہذا جب انسان محض علم کی رہنمائی میں زندگی بسر کرے گا تو وہ اپنی آزادی کا تحفظ کر سکے گا۔ تیسری چیز جو ان کے نظریے کے مطابق پرستش حق میں جاتی ہے وہ حیاتِ دنیا اور اس کی ترقی کے لیے بھرپور کوشش ہے۔ کیونکہ دین، دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اس کی نظر میں تمام اہمیت عالم آخرت کو حاصل ہے پس جب ایک چیز کی قدر و قیمت کا ہی دین قائل نہیں تو وہ اس کے حصول کے لیے زور کیسے دے سکتا ہے۔ لیکن علم کی روشنی میں جب زندگی بسر ہوگی تو حیاتِ دنیا کی طرف انسان بھرپور توجہ دے سکے گا۔

یہ وہ تین امور ہیں جن کی بنیاد پر آج کا ذی علم انسان دین و مذہب سے گریزاں ہے اور ایمان کی افادیت کا منکر۔ ذیل میں ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ مذکورہ بالا دعاوی اپنے اندر کس حد تک صداقت رکھتے ہیں؟

علم اور ایمان کے مختلف دوائرِ عمل علم کی ایک حد ہے جہاں سے وہ آگے نہیں جا سکتا یعنی مادّہ اور محسوسات کی محدود دنیا۔ علم مشاہدات و تجربات کر سکتا ہے اور اپنے تجربات سے صحیح یا غلط نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ حس سے ماوراء اور مادّہ سے آگے کیا ہے؟ تو علم اس باب میں بالکل خاموش ہے۔ علم کی رسائی حقائقِ اشیاء کے ایک حصہ تک ہے یعنی اس کے ظاہری پہلو تک۔ باطن کے بارے میں علم کچھ نہیں جانتا۔ موجود اشیاء کیا ہیں اور کیسے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مادی چیزوں کے بارے میں علم صرف انہی سوالات کا جواب دے سکتا ہے رہا یہ سوال کہ وہ کیوں ہیں تو اس کا جواب دینا علم کے بس کی بات نہیں یہ ایمان کا کام ہے۔ مادہ کا محرک اوّل کیا ہے؟ موجودات کی غایت الغایات کیا ہے؟ محسوسات و مشاہدات سے ماوراء کیا ہے؟ اور ظاہر اشیاء کا باطن کیا ہے؟ ان سب سوالات کا نہایت شافی جواب صرف ایمان کے پاس ہے۔ آدمی مر کے کہاں جاتا ہے؟ روح انسانی کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کا اس کائنات کے ساتھ ربط و تعلق کیا ہے؟ عالم افلاک اور سیاروں کو کس عظیم طاقت نے ایک زبردست انتظام میں جکڑ رکھا ہے؟ کیوں جکڑ رکھا ہے؟ اس کائنات کی ابتداء کب ہوئی اور اس کی انتہا کیا ہے ان تمام امور سے بحث صرف ایمان کرتا ہے علم و عقل کے پَر اس مقام پر جلنے لگتے ہیں۔ پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجرد علم پر انحصار کرنے والے حقائق سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوسکتے اور ان کے لیے یہ ایمان ہی کے محتاج ہیں۔ تو جس علم کی بے چارگی و کوتاہی کا یہ عالم ہے اس کے پرستاروں کی ضلالت اور حقیقت سے بُعد کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

علم کے نتائج قطعی و یقینی نہیں ہوتے

علم کا دوسرا نقص یہ ہے کہ اس کے اخذ کردہ نتائج بلحاظ صحت قطعی و یقینی نہیں ہوتے۔ تاریخ میں علم کے ساتھ بارہا یہ حادثہ پیش آیا ہے کہ ایک وقت میں علم نے جس چیز کو مسلمہ حقیقت قرار دیا بعد کے ادوار میں وہ از قسمِ اوہام و اباطیل سمجھی گئی۔ اسی سلسلہ میں ایک امریکی اسکالر[1] کے تاثرات ملاحظہ کیجیے۔ "علوم تجربہ شدہ حقائق کا نام ہے لیکن یہ حقائق انسان کے اوہام و خیالات سے بھی متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ نیز انسان کا — ان حقائق کے ملاحظہ و وصف و استنتاج میں وقتِ نظر سے کام نہ لینا بھی ان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بنا بریں نتائج علوم ایک تو اشیاء کی کیفیت و کمیت تک محدود ہوتے ہیں دوسرے احتمالات سے شروع ہوکر احتمالات پر ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی صحت یقینی ہے زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ان کا اقرب الی الصحت ہونا ہے تاہم خطا و احتمالِ خطا سے پاک وہ بہر حال نہیں ہوتے۔"

علمی پختگی ایمان کی طرف رہنمائی کرتی ہے

علم سے مکمل رہنمائی حاصل کرنے کے مدعی حضرات نے علم کو ایمان کے بالمقابل لا کھڑا کیا ہے حالانکہ علم، ایمان کا حریف نہیں نہ اس کا مدمقابل ہے بلکہ ایمان کی طرف رہنمائی

---

[1] امریکی مصنف مارٹ استانلی کونجدن کا مقالہ کتاب اللہ یتجلی فی عصر العلم میں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے والی ایک چیز ہے۔ تاریخ میں بہت سے راسخین فی العلم ایسے نظر آتے ہیں جن کے علم نے اُن کی حقیقت کی طرف رہنمائی کی اور وہ اس نتیجہ تک پہنچ گئے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک برتر قوت ایسی موجود ہے جو اس کی تدبیر و انتظام فرما رہی ہے اور جس نے ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک انداز سے اس کے اصل مقام پر رکھا ہے۔ ایک عالم کے لیے اس امر کو جاننا دوسروں کی بہ نسبت آسان ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں کتنا ربط و نظم اور کتنا استحکام پایا جاتا ہے اسے سموات والارض کی تخلیق میں، رات اور دن کے اختلاف میں، سمندر کے سینہ پہ رواں دواں کشتیوں اور جہازوں میں اور آسمان سے نازل ہونے والے پانی میں اللہ کی بے حد و بے حساب نشانیاں نظر آتی ہیں۔ ہواؤں کی گردش میں، آسمانوں و زمین کے مابین مسخر بادلوں میں اور روئے زمین پر انسانوں، جانوروں اور دوسری مخلوقات کے وجود میں جو اسرار و رموز پوشیدہ ہیں اس کا علم اسے ان کی مکمل معرفت بخشتا ہے اور نتیجۃً اس کا سر خدائے حی و قیوم کی چوکھٹ پر جھک جاتا ہے۔ استاذ ہوشل رقم طراز ہے "علم میں جیسے جیسے وسعت آتی ہے ایک ازلی و ابدی خالق کے وجود پر دلالت کرنے والی براہین میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ خالق کہ جس کی قدرت کی کوئی حد و نہایت نہیں پس آج ماہرین حیاتیات، ریاضی دان، ہیئت دان اور ماہرینِ طبیعات نے علم کے جس عظیم الشان قصر کی تزئین کی ہے وہ درحقیقت اللہ وحدہ لا شریک کی عظمت کا قصر ہے۔"

اسی معنٰی میں ہربرٹ سپنسر لکھتا ہے۔ "علم اوہام و خرافات کی تردید تو کرتا ہے لیکن دین کی تردید کبھی نہیں کرتا۔ آج اکثر و بیشتر علمِ طبیعی میں الحاد و زندقہ کی روح سرایت کئے ہوئے ہے حالانکہ علمِ صحیح جو حقائق کی گہرائیوں میں جاگزین ہے اس روح سے قطعی طور پر بیزار ہے۔ علمِ طبیعی دین کے منافی نہیں بلکہ اس علم میں رسوخ پیدا کرنا اور اس کی طرف توجہ دینا تو ایک لحاظ سے عبادت کرنا ہے۔ ایک طرح کی تسبیح خوانی ہے ایسی تسبیح جو زبان کی حرکت سے نہیں بلکہ تجربہ و عمل سے تعلق رکھتی ہے۔" ڈاکٹر ڈی نوی جو نہایت ذی علم طبیب ہیں علم طبیعی پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں "بہت سے سمجھدار اور بزعم خود نیک نیت لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں لا سکتے۔ کیونکہ وہ اللہ کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ ایک علمی شوق رکھنے والا آدمی اللہ کا تصور زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کر سکتا ہے جتنا کہ وہ بجلی کے بارے میں کئے ہوئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے بارے میں اس کے تصور کی نوعیت بالکل ناقص ہے۔ بجلی اپنا کوئی مادی وجود نہیں رکھتی بایں ہمہ وہ ایک لکڑی کے ٹکڑے سے (جو بہر حال مادی وجود رکھتا ہے) زیادہ بہتر طور پر اپنا وجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرتِ انسان سے منوالیتی ہے" پس اللہ تعالیٰ کے مادّی وحسّی وجود پر اصرار کرنا اور ماننے کے لیے اسے شرطِ لازم قرار دینا ایک غیر علمی بلکہ احمقانہ حرکت ہے۔

اہلِ علم کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم، ایمان کا بدل کبھی نہیں بن سکتا بلکہ علمِ صحیح، ایمان کی صداقت کا شاہدِ عادل ہے۔ ایمان کی منزل تک پہنچانے والی ایک روشنی ہے بجائے خود منزل نہیں۔

عقل ونفسیات کا معاملہ

ایمان سے ہٹ کر جو نظریۂ زندگی خالص علمی بنیاد پر اختیار کیا جائے گا کہا جاتا ہے کہ وہ عقلی ونفسیاتی اعتبار سے درست ہوگا۔ لیکن واقعات اس امر کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور مغرب کے مادی تمدن نے بھی اس کی نفی کر دی ہے۔ مغرب کے اہلِ علم کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے تجربی علم اور فنی ترقی کی بنیاد پر ایسا نظریۂ حیات اور ایسے اصولِ زندگی دریافت کر لیں گے جو عقلی ونفسیاتی لحاظ سے صحیح ہوں گے۔ برطانوی مورخ اور فلسفی ٹائن بی کی شہادت سنیئے۔ "میں نے صنعتی فنون کی گہرائی میں ڈوب کر دیکھا تو محسوس کیا کہ ان انسانوں نے اپنی زندگی کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے رکھی ہے اور انھوں نے پرانے دیوں کی جگہ یہ کچھ نئے چراغ خرید لیے ہیں۔ یہ گمراہی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ انسانوں نے اپنی جانوں کا سودا کر لیا اور بدلے میں سنیما اور ریڈیو لے لیے۔ اس تہذیبی تباہی —— جس کا سبب تازہ ترین لین دین تھا —— کا نتیجہ یہ نکلا کہ قلب وروح کی دنیا برباد ہو کر رہ گئی۔ ایسے ہی معاشرہ کو افلاطون نے خنزیروں کا معاشرہ قرار دیا تھا اور الڈس ہکسلے نے اسی کو "ایک نئے ظاہر فریب مگر تاریک باطن جہان" سے تعبیر کیا۔[1]" اس بحث کے اختتام پر ٹائن بی لکھتا ہے: "اب مغرب کی نجات اس میں ہے کہ اپنے نظامِ معیشت سے رخ پھیرے اور دین کی طرف رجوع کرے۔" لیکن ٹائن بی ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ اس انتقال کی صورت کیا ہو؟ وہ صرف یہ تاکید کرتا ہے "مغرب کا انسان صرف دین کی وساطت سے وہ روحانی بالادستی حاصل کر سکتا ہے جو مادی قوت سمیت اس کی سلامتی کی ضامن ہے جسے اس وقت مغربی صنعت کے مشینی دور نے نظر انداز کر رکھا ہے۔" ڈاکٹر الیکس کریل جنہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ تجربہ گاہوں میں تجربات کرتے گزارا ہے اور جو جدید علم کا وافر ذخیرہ اپنے پاس رکھتے ہیں رقم طراز ہیں "تعجب ہے کہ دماغی امراض دوسرے تمام امراض سے زیادہ پائے جاتے ہیں اور شفاخانہ ہائے امراضِ دماغی پاگلوں سے بھرے پڑے ہیں اور نئے مریضوں کے لیے ان میں کوئی جگہ نہیں۔" س۔ و۔ بیرس کا تجربہ یہ ہے کہ

[1] کو کالن ولسن نے اپنی کتاب سقوط الحضارۃ میں اسے نقل کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیو یارک کے ہر بائیس باشندوں میں سے ایک دماغی امراض کے ہسپتال میں داخلہ کا مستحق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کریل مزید لکھتے ہیں:۔ " ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے شفاخانوں میں پاگلوں کا علاج بڑی توجہ سے کیا جاتا ہے جن کی تعداد دق اور سل کے مریضوں سے آٹھ گنا زائد ہوتی ہے۔ وہاں ہر سال چھیاسی ہزار کے لگ بھگ افراد دماغی امراض کے ہسپتالوں میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر اسی رفتار سے لوگ پاگل ہوتے رہے تو لاکھوں کروڑوں بچے اور جوان جو اس وقت سکولوں اور کالجوں میں جاتے ہیں جلد یا بدیر انھیں نفسیاتی بیماریوں کی وجہ سے ہسپتالوں میں داخلہ لینا پڑے گا۔ ڈاکٹر موصوف ایسے ہی مزید کئی اعداد و شمار دینے کے بعد لکھتے ہیں۔ " یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ دورِ جدید کا متمدن انسان کس تباہی سے دوچار ہے۔ اور جدید معاشرہ میں دماغی صحت کا مسئلہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دماغی امراض ہی نہایت خطرناک۔ یہ دق سل سرطان اور گردہ و دل کے امراض سے زیادہ خطرناک ہیں۔ بلکہ تپ محرقہ، طاعون اور ہیضہ بھی ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ پس اسی پہلو سے ہی یہ امراض لائقِ اعتنا نہیں کہ ان سے مجرموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی ان کے فوری سدباب کی کوشش کرنی چاہئیے کہ ان کی بنا پر وہ تفوق اور برتری متاثر ہو رہی ہے جو سفید فام نسلوں کو دوسری انواعِ بشر پر حاصل ہے۔

اسی سلسلہ سے تعلق رکھنے والی ایک خبر ملاحظہ فرمائیے، امریکی پولیس نے باغی ادبا کی ایک انجمن کے دسیوں ارکان کو گرفتار کر لیا۔ اس کا سبب شعر و ادب پر مبنی ان کی قابلِ اعتراض تخلیقات و نگارشات نہ تھیں بلکہ ان کا عیبناک رہن سہن، ان کا بکثرت افیون کھانا اور ان نشہ آور اشیاء کے استعمال کا خطرناک طور پر دفاع کرنا تھا۔ ان کی گرفتاری پر انجمن ہی کے ایک ممبر ولیم رارک نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ " زندگی تلخ و ترش ہو گئی ہے اور لوگ مسلسل تعب و مشقت کا شکار ہیں اب اس نشہ کے روگ سے مفر کی کوئی صورت نہیں سوا اس کے کہ لوگ اپنے آپ کو دنیا کے خواب و خیال میں پہنچا دیں اور بے کاری و مستی کے مزے لوٹیں۔

یہ ہے وہ نفسیاتی و عقلی اعتبار سے صحیح دورِ زندگی جسے مغرب کے اہلِ علم نے دین و ایمان سے ہٹ کر دریافت کیا ہے اور جس پر جدید تہذیب و تمدن کو ناز ہے اور جس کے تلخ و تاریک نتائج کو دیکھ کر مغرب ہی کے سلیم الفکر دانشور چیخ اٹھے ہیں اور اپنے اربابِ حل و عقد کو دین و ایمان کی طرف لوٹنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

شخصی آزادی اور اس کے نتائج

ملحدانہ فکر کے علمبرداروں نے دین و ایمان کے خلاف اس لیے بھی بہت پراپیگنڈا کیا ہے کہ مذہب انسان پر بے جا پابندیاں عاید کرتا ہے اور قدم قدم پر اس کی آزادی کو سلب کر لیتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اس کے مقابلے میں انہوں نے بنام علم جو نظریۂ زندگی پیش کیا ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں آزادیٔ فرد میں کہیں مداخلت نہیں کی گئی۔

جہاں تک اُن حدود و قیود کا تعلق ہے جو عقیدۂ اسلام میں انسان پر عائد کی گئی ہیں وہ فرد کی آزادی میں مداخلت نہیں بلکہ فرد اور معاشرے کے حقوق میں توازن کا قیام ہے۔ ایک شخص اگر بلا روک ٹوک خواہشِ نفس پوری کرنا چاہے تو بلا شبہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں۔ ایک اور صاحب اگر کسی کی جیب پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو ایسی آزادی کی بھی دین و ایمان میں کوئی گنجائش نہیں۔ فضائلِ اخلاق کو چھوڑ کر اگر کوئی آدمی رذائل اختیار کرتا ہے تو یقیناً اس کی بھی گرفت کی جائے گی۔ زبان کا غلط استعمال، طاقت کا ناروا مظاہرہ اور دولت کا ضیاع و بے جا صرف یہ سب ایسے کام ہیں جن کے ارتکاب کی اگر کھلم کھلا اجازت دے دی جائے تو معاشرتی زندگی کا امن و سکون غارت ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پس جہاں تک اس آزادی کا تعلق ہے جس سے انسانوں کے باہمی حقوق سلب ہو جانے کا خطرہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی آزادی دین و ایمان کی رو سے حرام اور ممنوع ہے۔ رہی وہ آزادی جو انسان کی شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے اور جس سے دوسرے افراد کے حقوق اور مفادِ ملک و قوم متاثر نہیں ہوتا اس آزادی کو نہ صرف یہ کہ مباح قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کے تحفظ کی بھی پوری پوری ضمانت دی گئی ہے۔

اب آیئے ذرا اس معاشرے کی حالت کا جائزہ لیں جو خود کو علم و شعور سے بہرہ ور سمجھتا ہے اور جہاں نام نہاد شخصی آزادی پائی جاتی ہے اور دیکھیں کہ اس نے زندگی کی اعلیٰ اقدار کا کس بے دردی سے خون کر ڈالا ہے۔

(الف) ایک برطانوی سوسائٹی جو جنسی بے راہروی کا علاج سوچنے کے لیے معرضِ وجود میں آئی تھی اس کی رپورٹ یہ ہے کہ برطانیہ میں دس لاکھ افراد اور بسا اوقات اس سے بھی زیادہ لوگ جنسی بے راہروی میں مبتلا ہیں۔ (الاہرام، قاہرہ، مئی ۱۹۶۵ء)۔

(ب) سات کروڑ بیس لاکھ امریکی شراب پیتے ہیں جن میں سے دو کروڑ امریکی اپنے فرائض سے کوتاہی کے مرتکب ہو کر ہر سال حکومت کو کھربوں ڈالر کا نقصان پہنچاتے ہیں۔ (الاہرام قاہرہ ۳ مئی ۱۹۶۵ء)۔

(ج) سویڈش عورتوں نے جنسی آزادی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس مظاہرہ میں ملک کے ہر حصہ سے تعلق رکھنے والی خواتین نے شرکت کی جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی (اخبار الیوم

© rasailojaraid.com